

مخطوطۂ نادر

مصنف " مطلبی (فرید آبادی)

عنوان "

ترقی "

اردو شاعری

ھیّا ھیّا

اور دوسری نظمیں

ہیّا ہیّا

اور دوسری نظمیں

سیّد مُطّلبی فریدآبادی

سنگم پبلشرز لمیٹڈ، لاہور

ہی یا ہی یا

زیر تعمیر محل کی چھت کے لئے مزدور ایک گرڈر آہنی شہتیر چڑھا رہے ہیں

گاڑ لینا — کیسے بھائی — ایسے بھائی — ہیّا ہیّا
بوجھ اٹھا لو — بوجھ اٹھایا — محل سرا کا — ہاں ہاں بھائی
محل سرا کا — ہاں ہاں بھائی — بوجھ اٹھا لو — بوجھ اٹھایا
اونچا کر لو — ہیّا ہیّا — بوجھ اٹھا لو — ہیّا ہیّا

بوجھ اٹھایا — ہیّا ہیّا

ہاتھ بچا کے — ہاں ہاں بھائی — پیر بچا کے — ہاں ہاں بھائی
بوجھ اٹھا لو — بوجھ اٹھایا — اونچا کر لو — ہیّا ہیّا
شیر بہادر — ہیّا ہیّا — اونچا کر لو — محل سرا کو
بوجھ اٹھا لو — بوجھ اٹھایا — کیسے بھائی — ہیّا ہیّا
شیر بہادر — ہیّا ہیّا — آگے سرکے — ہیّا ہیّا

شیر بہادر — ہیّا ہیّا
ہاں ہاں بھائی — ہیّا ہیّا

پیٹ پلے گا — ہمارا تمہارا — محل بنے گا — راجہ جی کا
پیٹ پلے گا — ہمارا تمہارا — باغ بنے گا — راجہ جی کا
پھول کھلیں گے — ہاں ہاں بھائی — جشن اڑینگے — ہاں ہاں بھائی

پیٹ پلے گا   مہارا تہارا   چار مہینے   مہارا تہارا
پیٹ پلے گا   مہارا تہارا   مہارا تہارا   مہارا تہارا
ہاں ہاں بھائی   مہارا تہارا   شیر بہادر   ہیّا ہیّا

کیسے بھائی   ہیّا ہیّا
پیٹ پلے گا   ہیّا ہیّا

اور اٹھاؤ   ہیّا ہیّا   آگے سر کے   ہیّا ہیّا
آٹھ مہینے   بھوک لگےگی   شیر بہادر   بھوک لگے گی
بن کپڑے کے   بن لتّے کے   آٹھ مہینے   بن روٹی کے
زور لگاؤ   ہیّا ہیّا   بھوک لگےگی   بھوک لگےگی
کیسے بھائی   ہیّا ہیّا   شیر بہادر   ہیّا ہیّا
ہاں ہاں بھائی   ہیّا ہیّا   پیٹ بھرےگا   ہیّا ہیّا
اور ابھارو   ہیّا ہیّا   ہاتھ بچا کے   ہیّا ہیّا
شیر بہادر   ہیّا ہیّا   دام ملیں گے   ہیّا ہیّا
سود بھریں گے   ہیّا ہیّا   قرض ملے گا   ہیّا ہیّا
شیر بہادر   ہیّا ہیّا   اور ابھارو   ہیّا ہیّا

پیر بچا کے
ہیّا ہیّا

کشتی کھینچنے والے مزدوروں کا گیت

پانی کے بہاؤ کے خلاف مزدور دریا کے کنارے کشتی کو کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں جس میں مضبوط رسّے بندھے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک دولتمند عورت سفر کر رہی ہے۔ آواز دُور سے سنائی پڑتی ہے۔ شروع میں گیت نہیں سنائی دیتا بلکہ نہ سمجھ میں آسکنے والی آوازیں ہوتی ہیں۔ جوں جوں کشتی ہمارے قریب آتی ہے آوازیں صاف سنائی دینے لگتی ہیں اور پھر تمام گیت۔ جوں جوں وہ ہم سے دُور آگے کی طرف جاتی ہے آوازیں مدھم ہوتی چلی جاتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ وہ آوازیں بھی نہیں سنائی دیتیں جو ابتدا میں سنی گئی تھیں۔

او　　او　　او　　او

او　　او　　او　　او

ہو　　ہو　　ہو　　ہو

لو　　لو　　لو　　لو

ڑھو　　ڑھو　　ڑھو　　ڑھو

لو　　لو　　چلو　　چلو

بڑھو　　بڑھو　　بڑھو　　بڑھو

ناؤ میں بیٹھی راجا کی نار[1]　　پاتر[2] ناچیں بارم بار

[1] عورت　　[2] رقاصہ

پائیل دیت[1] رہی جھنکار　　ڈھولک بولے گڑ گڑ تار
تالی باجیں باجیں تار　　گونج رہی ندیا سنسار
رانی کی ناؤ کے کھیون[2] ہار　　دھوپ میں مہاری[3] ناؤ منجدھار
چلو چلو　　چلو چلو　　بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو　　چلو چلو　　بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

پیٹ کی آگ سے ناؤ چلے　　چلو چلے　　چلو چلے
رسی کے گھسوں سے چھاتی جلے　　کتنی جلے　　چلو چلے
منزل ماریں گے ڈوبے ٹلے　　ڈوبے ٹلے ڈوبے ٹلے
کشٹی[4] برے کشٹی[5] بھلے　　ہم برے　　وہ بھلے
چلو چلو　　چلو چلو　　بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو　　چلو چلو　　بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

سو گئی ناؤ میں کامن[6] نار　　نوکر چاکر بھئے[7] نبار
بھادوں کی گھام[8] جلے سنسار　　ہیروں کی دھرتی بنی انگار
چابک دونوں لیے پھٹکار　　آگے ٹنڈیل پیچھے جامادار[9]
روکو تو ہووے مارا مار　　رولی گرے ہیں "ہوئی اوار[10]"

[1] دے رہی ہے　[2] کھینے والے، چلانے والے　[3] ہماری　[4] محنت کش
[5] نرمحنت کرنے والے　[6] حسین و نازک اندام　[7] ہوئے
[8] گرمی　[9] جمعدار　[10] دیر

چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

مزدوری کر کے پچھتائے   پچھتائے پھر کرنے آئے
چھاتی کٹائی پیر جلائے   رات ہوئی لئی[1] مہندھی لگائے
دن نکلے پھر کرنے آئے   دو دو آنے سب نے پائے
دن دن پیٹ کی آگ جلائے   اس اگنی[2] کو کون بجھائے
چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

جگ بیتے یہ جنم گجارا[3]   کوئی نہیں بنتا گُن تارا[4]
نا آیا کوئی آدن دارا   کون کرا ھمارا نستارا
پلٹ پڑے کوئی ایسی دھارا   وار پار ہو، ہو نہ کنارا
ڈوبتے لیویں ایسا ابھارا   کشتی کٹم[5] کا بجے نگارا
چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

کوئی ناؤ پڑے سکھ پاویں   کوئی رات دِنا دکھ پائیں
من مانی کوئی اپنی کھاویں   کوئی مانگ کر دن بہلائیں

۱ لی   ۲ آگ   ۳ گزارا   ۴ ترکیب   ۵ خاندان

کوئی پہن پہن مرجائیں   کوئی مرے پر کپھن نہ پائیں
اس دُنیا کو آگ لگائیں   بلی توڑ دیں بیڑا ڈبائیں
چلو چلو   چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو چلو   چلو چلو   بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

چلو   چلو   چلو   چلو   بڑھو   بڑھو   بڑھو   بڑھو
چلو   لو   لو   لو   بڑھو   ڑھو   ڑھو   ڑھو
لو   لو   لو   لو   ڑھو   ڑھو   ڑھو   ڑھو
لو   لو   او   او   ھو   ھو   ھو   ھو
لو   لو   او   او   او   او   او   او
او   او   او   او
او   او   او
او   او
او

کفن

دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

پچھم امنڈے بادل کالے — پورب پھیلے دھوئیں کے گالے
پٹم ہوئے سب آنکھوں والے — کون بھلا اس کال[1] کو ٹالے
کھانڈے باجیں چمکیں بھالے — ناگ کھڑے ہیں جیبھ[2] نکالے
توپیں کھول رہیں دھمالے — تڑ تڑ تڑ تڑ تڑ گولی چالے
بہنے لاگے کھون[3] کے نالے — کٹ کٹ گرتے گورے کالے
سارے کسان ہیں سارے گوالے — سب مزدوری کرنے والے
آ انبر[4] سے کون سنبھالے
تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے — دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

رین اندھیری اور متوالی — ساگر کالے دھرتی کالی
جنگل پھنک گئے ڈالی ڈالی — ہر ہریالی ہے اب کالی
گرجیں توپ تو پھیلے لالی — لالی کھون کی پیون[5] والی
کشتی تیریں دھولی[6] کالی — توپن اور بن توپن والی
ساگر ہل گیا توپ وہ چالی — ڈوبی ناؤ نہ ڈوبن والی
ڈوبن والوں نے کلی نکالی — ناکوئی وارث ناکوئی والی

۱ موت ۲ زبان ۳ خون ۴ آسمان ۵ پینے والی ۶ سفید۔

ان ڈوبوں کو کون نکالے

تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے   دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

محنت میں یہ جُٹنے والے   رات دنا یہ لُٹنے والے
دین دھرم پر مٹنے والے   جیلوں میں یہ پٹنے والے
شیروں جیسے ڈٹنے والے   اڑکر پھر نہ ہٹنے والے
دیش پہ مرنے کٹنے والے   گرنے والے اٹھنے والے
سُوت بان یہ بٹنے والے   میلوں سڑکوں میں کٹنے والے
نام خدا کا رٹنے والے   دھوکوں میں مر مٹنے والے

ان مرتوں کو کون بچالے

تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے   دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

دونوں اُور[1] کسانوں کے دل ہیں   مزدوروں کے دل ہیں جوانوں کے دل ہیں
بھوکوں اور بدحالوں کے دل ہیں   مورکھ اور انجانوں کے دل ہیں
چھائے ان پرچالوں کے دل ہیں   گوروں ہیلوں کالوں کے دل ہیں
دھن اور دولت والوں کے دل ہیں   پچھمی کے متوالوں کے دل ہیں
مسجد[2] گرجا شوالوں کے دل ہیں   جھوٹے سچے خیالوں کے دل ہیں
سب دھوکوں میں کسانوں کے دل ہیں   مرتے کٹتے جوانوں کے دل ہیں

ان دھوکوں سے کون نکالے

تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے   دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

۱ طرف   ۲ مسجد-

اس بادل کے پیچھے ماتا دِکھے[1] گھری روکھوں[2] کی لیلا[3]
اس پر سندر امبر چھایا اس چھایا میں لال پھریرا
اس جھنڈے کے پیچھے ماتا باجے ہے مزدور کا ڈنکا
نا کہیں کنگالی کا رونا نا کوئی بیری نا کوئی دُکھیا
نا کہیں ساہوکار کا ڈاکا نا راجا خوں پیون ہارا
پھولوں جیسے سب کا چہرہ ہر اک زندہ بوڑھا بچّہ
یہ بھی ہیں ماتا تیرے ہی پالے
تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

کس بدھ بدلے گی ہماری دُنیا میں تیرا داس بتلا ماتا؟
اچھا اچھا ، سمجھا سمجھا پورا پورا تیرا سندیسا
دنیا بھر کا ہو اِک جتھا مزدور اٹھائیں لال پھریرا
پلٹ پڑے یہ ساری سینا[4] دونوں اور تو پھر کیا کہنا
کچلے جائیں گے بوہرے[5] راجا سب کا نمٹے گا لیکھا کھاتا
ظلم کا یوں نکلے گا جنازہ ہتیا کی یوں ڈوبے گی نیّا
چومیں گے مکھ تیرا تیرے پالے
تیرے ہی بچے تیرے ہی بالے دھرتی ماں چھاتی سے لگالے

[1] دکھائی دیتی ہے [2] درختوں [3] منظر [4] فوج [5] دیہاتی سرمایہ دار۔

کیوں ہردے کی نیّا ڈانوا ڈول

کب تک بولے گا میٹھے بول　　　کب تک کرے گا مول اور تو(ل)
سمے[1] ہے مورکھ آج انمول[2]　　　اُٹھ اور گھونگھٹ کے پٹ کھو(ل)
کیوں ہردے کی نیّا ڈانوا ڈول

گھنگھاٹ[3] کرت اندھیاری رات　　　بم برست ہیں ساری رات
منش لہو[4] کی ہے برسات　　　اٹھ تو بھی اپنا سنکھ ٹٹو(ل)
کیوں ہردے کی نیّا ڈانوا ڈول

تیرے لہو کے پیون ہار　　　آپس میں ہیں چھری کٹا(ر)
اٹھ اور بیبڑی اپنی اُتار　　　اور پنجرے کی کھڑکی کھول
کیوں ہردے کی نیا ڈانوا ڈول

کھول کے باہر آجا پنچھی　　　پنکھ پوَن[5] میں پھیلا پنچھی[6]
ہر پنچھی سا بن جا پنچھی　　　پنجرے میں رہ کر پنکھ نہ تول
کیوں ہردے کی نیا ڈانوا ڈول

پوَن اُگل رہی انگارے　　　دبکتے پھرتے ہیں ہتیارے
نہیں سمے باتوں کا پیارے　　　مت بیٹھا کیچڑ کو گھنگول
کیوں ہردے کی نیّا ڈانوا ڈول

۱ وقت۔ موقعہ ۲ نادر ۳ رات کی شور کی آوازیں ۴ انسانی خون ۵ ہوا ۶ پرندہ۔

ے کرے گا اپنا وار — یہ ہی باٹ تکے سنسار
کے دو ہوں دو کے چار — ایسا مار تو ہانٹھ ستول[۱]

کیوں ہردے کی نیا ڈانواڈول

انواڈول تو کالی بلاوے — پلک جھپکتے چٹ کر جاوے
رے نا الٹا کھاوے — مت دھدل[۲] ہیں موتی رول

کیوں ہردے کی نیا ڈانواڈول

[۱] تُلا ہُوا ۔ [۲] دلدل

اپنی ہے نیّا منجدھار

کوسوں دار میلوں پار   کالا انسیر کالا سنسار
کوئی نہیں ہے کھیو نہار   کون لگاوے اس کو پار

اپنی ہے نیّا منجدھار

کالے بدرا گول[2] کے گول   پربت جیسے اونچے ٹول
پون بجاوے جنگی ڈھول   جل کے دھکے جل کی دہار

اپنی ہے نیّا منجدھار

بڈھے مانجھی نے ڈھوکا دی[3] تا   کب کا بیری نے بیر یو کی[4] نا
ہنس ہنس کھووے وہ دن جینا   "اِشور رہی ہے کھیون ہار"

اپنی ہے نیّا منجدھار

بوہروں کی نیّا ریت سے گاڑھبیں[5]   کشٹ کریں دھدل سے نکالیں
اپنی پھنسے تو کسی بلالیں   بوہرا کہے "اِشور کرتار"

اپنی ہے نیّا منجدھار

بوہروں کا بن اشور دھندا   کشٹی وا[6] کا کار کرندہ
اشورا اپنے گل[7] کا پھندا   کشٹی تیرا کٹھم کرتار[8]

اپنی ہے نیّا منجدھار

۱ بادل ۲ غول کے غول ۳ دیا ۴ یہ لیا ۵ نکالیں ۶ اس کا ۷ گلے ۸ پرورش کنندہ

اِشور نام کی دیہی[1] دہائی — اشور کس کی کرے سنائی
آج تلک نا ناؤ چلائی — اپنی بھجا[2] پر کر انبار[3]

اپنی ہے نیّا منجدھار

کیوں نہ بنیں ہم اسکے کھویّا — ڈگمگ ڈگمگ[4] کرتی نیّا
چپّو چلاؤ مل کر بھیّا — مانس شکتی اپرم پار

اپنی ہے نیّا منجدھار

او بڈھے! یہ ناؤ چلی ہے — یہ نیّا مزدورن کی ہے
اشور اپنا بھجا بل[5] ہی ہے — چھوٹ گیا پیچھے منجدھار

مانس شکتی اپرم پار
نا اپنی نیّا منجدھار

۱ دہی ۲ بازو ۳ اعتبار ۴ انسانی طاقت ہر مشکل کو آسان کرنے والی ہے
۵ قوّت بازو

سپنا

دیکھا راتوں بیکل سپنا　　سندر سپنا کاتل[1] سپنا
سنسار میں دھواں ہاری دسی[2] کھی　　دھول[3] میں جنگی لاری دسی کھی
گھٹا ٹوپ اندھیاری دسی کھی　　مانس مارا ماری دسی کھی
رن[4] سے کی تیگ[5] دو دھاری دسی کھی　　کٹتی پرجا گنواری دسی کھی
ایک کھڑی مہتاری دسی کھی　　ڈائن سی وہ ناری[6] دسی کھی
لہو کی پیون[7] ہاری دسی کھی　　کلکتے سی کالی دسی کھی
ری کھی دھنوانوں کی ماتا　　سندر سپنا کاتل سپنا
دیکھا راتوں بیکل سپنا

اور پاس کی دیکھی لیلا　　اس لیلا نے ہردا کیلا
بھیانک، ہیکل، کھوٹی لیلا　　جو دیکھے ہو جاوے پیلا
اونگھے اینگھے[8] اونٹ ٹیلا　　ڈھئے ڈھئے شہرن[9] کا ٹیلا
بھومی[10] سوکھی لہو بہ گیلا　　دھوئیں کے لگے انبر نیلا
نار[11] اگھاڑی کا رنگ ہے پیلا　　سوکھا سوکھا نین کٹیلا

۱ قاتل ۲ دکھائی دی ۳ خاک ۴ جنگ ۵ تیغ ۶ عورت ۷ سرمایہ داروں ۸ اِدھر اُدھر
۹ شہروں ۱۰ زمین ۱۱ برہنہ

دھن ہوا شور کرتا دھرتا — سُندر سپنا کاتل سُپنا
دیکھا راتوں بیکل سُپنا

پون کے جھکڑ چلنے لاگے — بکھرن لاگے دھوؤں کے دھاگے
پھر یو[1] دیکھا بادل بھاگے — ببّر[2]، بانس اڈن لاگے
سارے بھوکے سُوکھے ننگے — جھنڈا لال ہے آگے آگے
جیکاروں سے اٹھے راگے — جگن سوئے اُٹھے جاگے
موٹر، بہلی، گھوڑے تانگے — چڑھ چڑھ بوہرے ان پر بھاگے
رول[3] مچی "وہ آئی جنتا" — سندر سپنا کاتل سُپنا
دیکھا راتوں بیکل سُپنا

پھر کیا دیکھا؟ کہا[4] بتاؤں! — جی چاہے ہے پھر سو جاؤں
میں بھی ویسے ہی تیگ چلاؤں — ویسے ہی لچھمی کو مار گراؤں
ویسے ہی توڑوں ویسے ہی ڈھاؤں — سُرگ لوک ویسا ہی بناؤں
مزدوروں میں مل مل گاؤں — جگ میں راسا بند کراؤں
اس دنیا سے پھر نہ آؤں — کیوں آؤں؟ آ کر پچھتاؤں
ایسے سُپنے کی نت نت چنتا — سُندر سُپنا۔ کاتل سپنا
دیکھا راتوں بیکل سُپنا

۱ یہ ۲ عورت ۳ غل مچا ۴ کیا بتاؤں۔

ساون پیا بن

ساونوا[1] پیا بن کِت[2] آوے چین   کِت آوے چین، چِت[3] کِت پاوے
ساونوا پیا بن کِت آوے چین

میہا برسے جھالیں لیوے   برس برس موہے[4] دُکھ دیوے
روکھوں میں انبیا جھولے لیوے   کوئل کوکے سُن میرے بین
کس بدھ آوے چین
ساونوا پیا بن کت آوے چین   کِت آوے چین چِت کت پاوے
ساونوا پیا بن کت آوے چین

پکار پپیہے کی گولی سی لاگے   پی پی کہہ کر موسے بھاگے
مورنیاں لئے پیچھے آگے   ناچے مورا چلاوے سین
لگے سب دُکھ دین[5]
ساونوا پیا بن کت آوے چین   کِت آوے چین، چِت کت پاوے
ساونوا پیا بن کت آوے چین

۱ اے ساون   ۲ کیسے   ۳ دِل   ۴ مورہ   ۵ دُکھ دینے لگے۔

یہ سپنا ہے جگ سے نیاری　　جس کے سپاہی نر اور ناری
جیل کے پنچھی دیش پجاری　　دیش کے دکھ سے سب بے چین
ان کے نیارے دن اور رین
ساون آ پیا بن کت آوے چین　　کت آوے چین چت کت پاوے چین
ساون آ پیا بن کت آوے چین

جیل میں بیٹھا دیش سپاہی　　کہدے پون واسے پروائی
اب کے جھول نہیں ڈلوائی　　راہ تکوں تڑپوں دن رین
جب آؤ تو آوے چین
ساون آ پیا بن کت آوے چین　　کت آوے چین چت کت پاوے چین
ساون آ پیا بن کت آوے چین

کیا واں بھی سجن ہیں دیس کی باتیں؟　　ویسے ہی دن اور ویسے ہی راتیں؟
ویسے ہی دھن میں کٹت برساتیں؟　　کیا واں بھی پیا جاگو دن رین؟
کیا واں بھی نہیں ہے ساجن چین؟
ساون آ پیا بن کت آوے چین　　کت آوے چین چت کت پاوے چین
ساون آ پیا بن کت آوے چین

کوچ

مان ہمارا کہنا مان　　کوچ کا اُٹھ کر لے سامان
اُٹھ رے سپہیا باورے لشکر تیرا کوچ

بغل[1] میں لٹکا تیر کمان　　ڈھال تلوار سنبھال جوان
لال پھریرا تیرا نشان　　اس سے ہے تیری پہچان
اب کے ہے رن میں کھلیان　　مان ہمارا کہنا مان
مان ہمارا کہنا مان　　کوچ کا اُٹھ کر لے سامان
اُٹھ رے سپہیا باورے لشکر تیرا کوچ

لڑن مرن[2] کی ریکھا دیکھ　　دیکھ نہ کیجو دیکھا دیکھ
اور کی اگنی سے ہاتھ نہ سینک　　جگ میں اُٹھ چنگاری پھینک
تو ہی اگنی تو ہی میگھ　　مت رہ اپنے سے تو انجان
مان ہمارا کہنا مان　　کوچ کا اُٹھ کر لے سامان
اُٹھ رے سپہیا باورے لشکر تیرا کوچ

۱ بغل　۲ لڑنے مرنے کے مقدروں کو دیکھ ۔

گھور گرج ہے بادل اُمنڈے　　مزدورن کے یوں دل امنڈے
گھوڑے، موٹر، پیدل اُمنڈے　　پربت چھائے جنگل امنڈے
مرتے کٹتے پیدل اُمنڈے　　کرانتی کاری اُڑے یوان
مان ہمارا کہنا مان　　کوچ کا اُٹھ کر لے سامان
اُٹھ رے سپہیا باورے لشکر تیرا کوچ

جرمن جاپانی پونجی واری　　سٹک گئی جگ کے نر ناری
ناشٹ سپنا دل کی کاری　　کرتی جگت میں مارا ماری
ڈبو دے اُٹھ نیّا ہتیاری　　راج بنا مزدور کسان
مان ہمارا کہنا مان　　کوُچ کا اُٹھ کر لے سامان
اُٹھ رے سپہیا باورے لشکر تیرا کوچ

اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے

منش جات ہے اپنی پیارے اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے
چندا سورج اور ستارے سب چاکر ہیں تیرے دوارے[2]
پرتھوی[3] دیش منش کا پیارے دیش دیش کے جھوٹے کھونٹے
اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے

منش جات ہے اپنی پیارے اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے
کشٹ[4] کمایا سارے نردھن[5] راسے کی اگنی کے ابندھن
دیکھ نکھٹو کے دھن جوبن ہردے کی آشا نا ٹوٹے
اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے

منش جات ہے اپنی پیارے اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے
دھنی پرتھوی راسے سے بھر آیا نکلے گا سب پیا کھایا
مہا بھونچال اسے دیکھت آیا لٹی ہوئی جنتا جب لوٹے
ہتیاری کا پران بھی چھوٹے
اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے

منش جات ہے اپنی پیارے اونچ نیچ کے بندھن جھوٹے

۱انسان ۲دروازے پر ۳زمین، دھرتی ۴دکھ اٹھانے والے ۵دولت کے بغیر۔ مفلس

جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

تیری یاد نہیں بھولے گی　　من کی بغیا میں تو جھولیگی
ٹھنڈے سانس یہاں تولے گی　　دل کی کلی واں نا پھولیگی
پلک اٹھا مت دل کو توڑ　　مت وگدا میں منہ کو موڑ　　چلا ہے تجھ کو چھوڑ
جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

تو ہردے[2] میں بسی ہے رانی　　رگ رگ میں تو رسی ہے رانی
پریم جال میں پھنسی ہے رانی　　مجھ نینوں کی ستی ہے رانی
پریت دکھا مت تن[3] پر سکوڑ　　مت وگدا میں منہ کو موڑ　　چلا ہے تجھ کو چھوڑ
جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

پھر اچھے دن آئیں گے رانی　　بچھڑے پھر مل جائینگے رانی
دیش کے باسی گائیں گے رانی　　جھنڈوں کو لہرائینگے رانی
دو ہی دنیا کی بات ہے پیاری　　پلا میرا چھوڑ
پلا میرا چھوڑ　　مت وگدا میں منہ کو موڑ　　چلا ہے تجھ کو چھوڑ
جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

[1] باغیچہ [2] دل [3] جسم

سُورج بادل چاند ستارے — سب ہی تو دیں گے کھیں کالے کار
پریت ریت سنیہی[1] پیارے — کوئی نہ دیں گے گھیرے ندھار
دیش[2] بلی کی[3] گیلی تو چھوڑ — مت وِگدا میں منہ کو موڑ — چلا ہے تجھ کو چھوڑ
جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

ایسی ہوک اٹھی ہے من میں — ایسی آگ لگی ہے تن میں
اگنی پھیلے جیسے بن میں — اگنی ہی اگنی جیون میں
کہیں نہ تو جل جاوے پیاری — پلّا میرا چھوڑ
پلّا میرا چھوڑ — مت وِگدا میں منہ کو موڑ — چلا ہے تجھ کو چھوڑ
جیل چلا ہے دیش سپاہی رانی تجھ کو چھوڑ

۱ رفیق ۲ فدائے وطن ۳ راستہ ۴ آگ۔

نظمیں

فتح مند مزدوروں کا گیت

کسانی رُت کے آخری منظر کا آخری گانا

ملک کے مالک ہم ہی ہیں   ملک کے خادم ہم ہی ہیں

کون ؟ وہ محنت کرنے والے   کپڑا لتّا بُننے والے
غلّہ پیدا کرنے والے   دن بھر شب بھر مرنے والے
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

سڑکیں محل بنانے والے   ساری ریلیں چلانے والے
تھوڑا تھوڑا کھانے والے   اور بھوکوں مر جانے والے
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

غوطے دن بھر کھانے والے   اور پھر موتی لانے والے
پھر لاکر پچھتانے والے   مُٹھی چنا ہم پانے والے
مُلک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

نہریں کاٹ کے لانے والے   سوکھی زمین ہریانے والے

برتن سارے بنانے والے خود ہاتھوں پر کھانے والے
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

موٹر ریل چلانے والے لانے اور لے جانے والے
بوجھ عالم کا اٹھانے والے خود دب کر پس جلنے والے
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

تھک کر ہم گر جانے والے اٹھ کر پھر چل جانے والے
لاکھوں روپے کمانے والے چند ٹکے خود پانے والے
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

رازِ غربت پایا آخر مل کر سنگھ بنایا آخر
ظلم کو ہم نے ڈھایا آخر اپنا رنگ جمایا آخر
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

پھل پایا خون پسینے کا اب زخم بھرا ہے سینے کا
ہاں لطف ہے اب کچھ جینے کا اب کوئی نہیں خوں پینے کا
ملک کے مالک ہم ہی ہیں
ملک کے خادم ہم ہی ہیں

دُنیا کے ہم روحِ رواں ہیں ننھے بڈھے پر اب نوجواں ہیں

کہتے تھے جو ہم مالک جاں ہیں" بتلائے کوئی وہ لوگ کہاں ہیں؟

ملک کے خادم ہم ہی ہیں

ملک کے مالک ہم ہی ہیں

میں آؤں گا کب؟

یہ جاڑے کی راتوں کی لمبائیاں　　یہ لمبائیاں اور تنہائیاں
ہے خاموش محبس میں میرا تخیّل　　بنا شور دریا کی گہرائیاں
تصوّر میں ذرّہ تخیّل میں صحرا　　نہ پوچھو مری جادہ پیمائیاں
تصوّر میں رہ رہ کے آنا تمہارا　　یہ ہیں دل شکن یاد فرمائیاں
میں بھولا نہیں مجھ کو تم بھول جاؤ　　کہ بھاتی نہیں آپ پرچھائیاں
میں آؤنگا کب؟ کیا یہی پوچھنا ہے؟　　فضا جب بجاتی ہو شہنائیاں
دھواں جب معطّر کرے جسم و جاں کو　　ہوا جب اگلتی ہو چنگاریاں
غلامی کو اپنی مٹانے کی خاطر　　بھریں جب جوان خوں سے گھاٹیاں

جو ہو سب سے آگے اُسے جان لینا
قریب آ کے تم مجھ کو پہچان لینا

طائرِ قفس

یہ نظم انفرادی ستیہ گرہ کے چند کانگریسی اسیروں کی رہائی کے موقع پر پڑھی گئی

پنجرے سے چھٹتے ہیں چند پنچھی — تھا جن سے قفس بہار آباد
آئے تھے جو اپنی اپنی رَو میں — جذبات کی تھی نرالی افتاد
سمجھا تھا کوئی "یہ دیش بھگتی — خود دیش کو کر سکے گی آزاد"
تھا کوئی پجاری دیوتا کا — ہر بات پہ جس کی کرتا تھا صولو
مطلب تھا جسے نہ نیک و بد سے — آزاد ہو دیش یا نہ آزاد
آندھی تھی نہ شعلہ تھا نہ کڑکا — بس شور تھا جیل ہو وے آباد
کیوں؟ کس لئے؟ یہ کوئی نہ پوچھے — اندھے کی نہ داد ہے نہ فریاد
ہنستے تھے تمام اہلِ دانش — خود قہقہے مارتا تھا صیّاد
جب پھنس گئے آکے سارے پنچھی — اب آنے لگا انہیں وطن یاد
وہ باغ، وہ کاروبار واں کے — اور یاں کا سکون قبر آباد
باہر کہ تھا شور مفسدوں کا — اندر تھا یہ خوف کیا ہو افتاد؟
آخر کو نرالی کشمکش سے — کچھ طرز کہئے عجیب ایجاد
پنجرے کی کھلی ہوئی کھڑکی — جائیں کہ رہیں یہاں پہ آباد

قِصّہ یہ سنا رہا تھا سیّد   بولا پہلو سے مردِ آز

"ہے داستان یہ غلام گڑھ کی
کیسا پنچھی؟ کہاں کا صیّاد؟"

رہائی کی باتیں

گجرات جیل اور پنجاب کے دوسرے جیلوں سے سزا یافتہ سیاسی قیدیوں کی رہائیاں ہو رہی تھیں اور خود راقم الحروف کی رہائی ماہ اکتوبر میں ہونے والی تھی۔ اس وقت کے رہائیوں کے چرچے اور مختلف سیاسی کیفیتیں جو ذہنوں کو متاثر کر رہی تھیں: ان کا اس نظم سے اظہار ہوتا ہے۔

سید مطلبی

نہ کہہ ہم نشیں تو رہائی کی باتیں
تصوّر میں آتی ہیں وہ وارداتیں

جو گھومیں کبھی میرے خوابوں کے اندر
منوّر رہیں جن سے تاریک راتیں

ارادے تخیّل سے ہوتے تھے پیدا
مگر چل گئیں اِن ارادوں پہ گھاتیں

بہت صاف گو ہم¹ نے سب سے کہا تھا
کہ ہیں پیرِ² مے خانہ کی لغو باتیں

مگر سارے صیّاد³ تھے گھات میں خود
نتیجہ ہے اس کا کہ کھائی ہیں ماتیں

وہ مردانِ میدان و شیرانِ صحرا
وہ سب انقلابی یہ ہی ان کی ذاتیں

ہوئے بند سب دیولی⁴ کے کنویں میں
حقیقی تھے وہ قوم کی کائناتیں

دھرا کیا ہے اب اس رہائی میں پیارے
ہیں خاموش دن اور سنسان راتیں

نسیں کٹ گئیں جب دل و جاں کی ساری
تو پھر کیسے پوری ہوں وصل کی مرادیں

۱. کمیونسٹوں سے مراد ہے ۲ گاندھی لیڈرشپ ۳ کانگریس کے اصلاح پسند یا آئین پسند لیڈر ۴ مراد دیولی کیمپ جیل سے ہے۔

یہ سب سُن کے مایوس باتوں کو میری ابلنے لگیں عقلِ فاتح کی یادیں
یہ آواز دی اس نے "ہشیار ہو جا"
"نہ مایوس ہو بلکہ بیدار ہو جا"

۲

"مصائب میں ہے آج محصور دنیا یہ محصور دُنیا یہ مجبور دنیا"
"وہ دنیا کہ جس کو کہیں اپنا گھر سب پڑی ہے کہیں اس سے یہ دُور دنیا"
"تھا جنت کا دھوکہ کہ حکمِ رضا کا گئی چھن غریبوں سے یہ حُور دنیا"
"ہمکتی ہے سنگِ حوادث کے نیچے فلاکت سے یہ ساری مجبور دنیا"
"یہ مانا کہ کچلی ہوئی ہے یہ جنتا یہ مانا کہ ہے اس کو ناسُور دنیا"
"یہ مانا تڑپ اس میں پوری نہیں ہے یہ مانا تری تھک کے ہے چوُر دنیا"
"یہ مانا کہ محرومیاں ہیں تو کیا ہے؟ کہ ہے اُن سے لڑنے پہ مجبور دنیا"
"یہی تیری لاچار و کمزور جنتا قیامت کا پھُونکے گی یہ صُور دنیا"
"یہی ہے جو پلٹے گی نظمِ کہن کو یہ جنتا کہ ہے تیری مخمور دنیا"
"یہی آگ سے اٹھ کے کھیلے گی ہولی سمجھتی ہے جس کو ابھی بُور[1] دنیا"
فرائض ترے کر رہے ہیں اشارے
فضا چاہتی ہے کہ اُگلے شرارے

۱ بھوسی۔

"یہ مانا ہیں محرومیاں تیرے آگے — یہ مانا کہ جھکّڑ ہیں بادِ بلا کے"
"یہ مانا تباہی کے آثار ہیں سب — یہ مانا پڑے تجھ پہ ڈاکے پہ ڈاکے"
"یہ مانا کہ ہے سیرِ مے خانہ دھوکا — یہ مانا کہ بدلے ہیں تیور خدا کے"
"یہ مانا ہیں پھندے بِن قاتل کے سارے — وہ سب شیر دشمن نے ہیں خوب تاکے"
"مگر تیری مایوسیاں ہیں حماقت — برابر ہیں مایوسیاں التجا کے"
"مصیبت سے مردوں میں آتی ہے طاقت — وہ طاقت جو ہم پایہ ہے خود خدا کے"
"سنبھل بادِ طوفاں کی لہریں اٹھی ہیں — نا جا دیکھ تو اپنی کشتی بچا کے"
"اسی بادِ طوفاں میں طوفان بن جا — وہ طوفاں کہ لرزیں فرشتے قضا کے"
"وہ بن سَیل جو ساری دُنیا بہا دے — وہ طوفان بن جس میں گونجے دھماکے"

"سنبھل اور الٹ اس نظامِ کہن کو"
"چھڑا اس غلامی سے انسان بن کو"

۱ انسانوں کا جنگل مراد ہندوستان سے ہے۔

ٹیگور کی وفات پر

آیا کوئی دوپہر میں یہ مجھ کو سنانے
کہ ہند کے شاعر کو لیا چھین قضا نے"

"وہ فطرتِ معصوم کا بلتا ہوا تارا
بھیجا تھا جسے قدرتِ عالی کی فضا نے"

"وہ بلبلِ غم دیدہ کہ تھا قوم کی تصویر
سب بند نہ سنے گا کوئی اب اسکے ترانے"

"وہ جس کے ترنم میں تھا اک سوز کا عالم
ہنستے کو رلا دیتے تھے جس شخص کے گانے"

"وہ جس کا دلِ نرم تھا اک آہِ جگر سوز
وہ آہ کہ اٹھتی ہے قیامت کو جگانے"

"جکڑی ہوئی اک قوم کا وہ نعرۂ پرسوز
اب کون ہمیں آئیگا پھر اسکو سنانے"

"مرتے ہوئے بستر پہ بھی اس شان سے گرجا
گویا وہ تڑپ اٹھا تھا مُردوں کو جگانے"

"لو ختم ہوا ہند کا وہ پیرِ جواں سال
تاکا اسی سینے کو غرض تیرِ قضا نے"

میں نے یہ کہا "قوم ہے زندہ تو پھرا دو
ٹیگور کو چھینا ہی نہیں دستِ قضا نے"

"مردہ ہو اگر قوم تو مر جاتے ہیں شاعر
زندہ ہو تو مرتے نہیں شاعر کے ترانے"

اسیری کا سبق

ہم نفس جیل کے نہ پوچھ آیام — کیسے دن گذرا کیسے بیتی شام
خاکِ ملتان کھینچ کر لائی — جیل جس کا تھا میرا پہلا مقام
ملے ملتاں میں بھائی تیجا سنگھ — ساتھ ہیں ان کے بھائی جانگی رام
ہری اور لال[1] کی ملاوٹ — ملے گوپال سنگھ فرخ نام
لالہ[2] و چودھری[3] و منشی جی — اہلِ ملتان میرا لیجیے سلام
پھر وہاں سے حصار میں پہنچا — ہُوا باگرٹ کی خاک سے بسرام
تو پھر اس جیل نے مجھے کھینچا — بنا گجرات آخریں مقام
جو کسی جیل میں نہ پائیں گے — اس جگہ میں نے دیکھا وہ آرام
دیکھے کرپال[4] جیسے مٹھے لوگ — دیکھے بے چین لالہ اچنت رام[5]
پائے آصف[6] سے مرد سنجیدہ — کالیہ[7] جیسے دیکھے مست خرام
ملے اوتار[8] جیسے نارائن — گنگا جمنی کئی تھے صاحب رام[9]

1 منشی ہری لال ایم ایل اے 2 لالہ جھانگی رام ضلع ملتان کے کانگرسی کارکن 3 چودھری عطاء اللہ ساکن جہانیاں ضلع ملتان کانگرسی اور کمیونسٹ کارکن 4 سردار کرپال سنگھ تاجر جہلم 5 ورکنگ کمیٹی پنجاب کانگریس کمیٹی کے رکن 6 مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی 7 منشی رام کالیہ ایم ایل اے پنجاب، 8 لالہ اوتار نارائن صاحب وکیل جہلم 9 چودھری صاحب رام حصار۔ ایم ایل اے (پنجاب)۔

کرشن[1] بھی دیکھے مرلیاں دیکھیں — رادھا[2] اور کرشن کا بھی دیکھا کام
مولوی[3] بھی شریف سے دیکھے — دیکھے سب کے یہاں سجود و قیام
شاردھا[4] جیسے چپ چھنال ملے — اور فاروقی[5] جیسے بے ہنگام
جنیت[6]، چندو[7]، فرید[8]، گڈوانی[9] — درشن[10] و شانتی[11] و باسورام[12]
دیکھے زندہ دلوں کے جھرمٹ بھی — وہ بھی بھنّاس جن کے رکھے نام
راج[13] کے بھی سریلے نغمے سنے — بابا سرداری[14] جیسا شیریں کلام
دیکھے عبدالقدیر[15] سے اڑیل — شکل دیکھو تو جیسے داد اسام
محفلیں دیکھیں مجلسیں دیکھیں — جشن بھی دیکھے صبح سے تا شام
بات جو دیکھ ہی نہ سکتے تھے — اس طرح دیکھی جیسے ماہِ تمام
یاں کھلا لیڈری کا ہر بہروپ — قوم اور قوم کا کھلا انجام
کیسے کیسے یہاں ملے شہباز — کیسے باریک یاں پہ دیکھے دام
ان سیاسی اسیروں میں سیّد — جو کھلے بھید جو کھلا انجام
اس پہ دل نے ہے فیصلہ یہ کیا — ہے اسی فیصلے پہ اب تو قیام
"قوم پرور ہیں تب تلک جاہل — جب تلک وہم ہو گا ان کا امام"

1 چودھری کرشن گوپال دت ایم ایل اے 2 ڈاکٹر رادھا کرشن لائل پوری 3 مولو
محمد شریف صاحب ہوشیارپوری 4 ڈاکٹر شاردھا دہلوی 5 عبداللہ فاروقی ایڈیٹ
"محشرِ خیال" دہلی 6 جنیت کمار دہلوی 7 چندو لال صاحب دہلوی 8 فر
صاحب انصاری دہلوی 9 ڈاکٹر چوتھ رام صاحب گڈوانی ایم ایل اے (سندھ) 10 سردار درش
ایم ایل اے (پنجاب) 11 ڈاکٹر شانتی سروپ موگا 12 لالہ باسو رام کرنال 13 ماسٹر راج
ساکن امرتسر 14 لالہ سرداری لال لدھیانہ 15 منشی عبدالقدیر دہلوی۔

"جیل جب تک ہے کیسی آزادی؟ مردِ آزاد ہے بلند مقام"
"جب سیاست ہو صرف پوجا ہی جو غلامی کا دوسرا ہے نام"
"کیسے آزاد ہو سکے گا ملک؟"
"کیسے کہلائیں گے نہ آپ غلام؟"

ایک تحریر

ایک بزرگ محترم کے خط کے جواب میں۔ جنہوں نے میری قید و بند
کو خاندان کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے سے تعبیر فرمایا تھا

۱

کیوں سمجھتا ہے مجھ کو آج حقیر — صرف اس جُرم پر کہ ہوں میں اسیر؟
کیا یونہی ننگِ خاندان ہوں میں — جُرم کی میرے واں نہیں جو نظیر؟
سارے عالم کی دیکھ کر تاریخ — ہو گئے ہر طرح سے علیم و خبیر
پھر سمجھنا خطا شعار مجھے — صرف جذبات و ضد کی ہے تاثیر
یاد کر جُرمِ سیّدِ معصوم — اور عابد کی دیکھ دار و گیر
پا برہنہ وہ دودمانِ رسولؐ — بے ردا بیبیوں کی وہ تشہیر
ہر کسی دیس قوم و ملّت میں — مجھ سے خاطی کی دیکھ لاکھ نظیر
ہر طرف بیڑیوں کی ہے جھنکار — ہر جگہ پھانسیوں سے ہے تشہیر
حق پرستوں کے نعرے اور للکار — خود پرستوں کی گولیوں کی نفیر
یعنی دلدادگانِ آزادی — پا بہ زنجیر یا بکفِ شمشیر
محترم اے بزرگ اے حضرت! — اے کہ ہے علم آپ کا ہمہ گیر!
میں تہی دست بے کتاب سہی — قبضے میں ہے عمل کی پر شمشیر

میں بھی ابنِ علی کا ہوں فرزند — اس سے زیادہ ہے کیا مری تقصیر
ننگ ہے جس ادا سے حضرت کو — اس پہ انزاتی ہے مری تقدیر
باعثِ فخرِ خاندان ہوں میں
نازشِ نسل و دودمان ہوں میں

۲

یہ حقیقت ہے اس میں کچھ نہیں راز — علم ہے آپ کا بھی باعثِ ناز
علم کی کیا مگر یہی ہیں حدود؟ — راحتِ خاندان و ضبطِ نماز؟
علم کا کیا یہی تقاضا ہے؟ — صرف بھانپا کرے نشیب و فراز؟
عہدِ حاضر کی کشمکش سے دُور — صرف ماضی کی داستاں سے نیاز
اور شوقِ مآل و مستقبل — بے حقیقت کے آرزوئے مجاز
علم کا کیا یہی تقاضا ہے؟ — کہ ہمیشہ رکھے سپر انداز؟
علم اور پھر فقط تماشائی؟ — ہائے انجام تیرا وہ آغاز
علم اور بے عمل معاذ اللہ — اک ہیولیٰ کہ جس میں سوز نہ ساز
اُس کا انجام نیند ذہنوں کی — نیند جو موت کی طرح سے دراز
میں نہیں گو کہ عالم و فاضل — پھر بھی بچہ نہیں ہوں بندہ نواز
کچھ پڑھا بھی ہے اور سمجھا بھی — اس پہ کھولے عمل نے سارے راز
میں چلا بھی ہوں اور گرا بھی ہوں — صرف بھانپے نہیں نشیب و فراز

ہیں کبوتر نہیں ہوں مضغۂ گوشت　　شیر کا دل ہے اور پر شہباز

صاحبِ عزم کو جو سمجھے حقیر
کیا کہے آج اس کو مردِ اسیر

جدّوجہدِ آزادی کے تین دَور

بطرزِ کورس اجتماعی

پہلا دور ۱۹۱۹ء لغایت ۱۹۲۱ء

۱

اک دو کیسے لاکھ ھزار   کون کرے ان کا شُمار
ایل پڑے سگرے نرنار   ایکا ہے ان کا ہتھیار
گھبرائی گوری سرکار   بھارت جاگی مچی پکار

۲

ہندو مسلم اور عیسائی   سب کہو ہیں ہم بھائی بھائی
جو توڑے اپنی اکتائی   اس کو سمجھو نپرٹ قصائی
کُتا ہے اسے دو دھتکار   بھارت جاگی مچی پکار

۳

محمد علی کے نعرے ہیں   گاندھی کے جیکارے ہیں
پریم کے اُبلے دھارے ہیں   جھنجلائے ہتیارے ہیں
لے کر جھپٹے چھُری کٹار
بھارت جاگی مچی پُکار

۴

ویش لہو سے ہوتی ہولی　　شہر شہر میں چلتی گولی
بہتی لہو دھرتی ہے پولی　　بھارت ماں کی بھر دی جھولی
گاؤں بچے نہ ہاٹ بزار
بھارت جاگی مچی پکار

۵

پھر پہنائے جھانجھن کالے　　تھک گئے پر دشمن ہتیارے
ٹوٹن لاگے بندھن سارے　　نئے چاند کے گرد رشن پیارے
گونجن لاگے من کے تار
بھارت جاگی مچی پکار

۶

گھبرائی گوری سرکار　　گتا ہے اسے دو دھتکار
لے کر جھپٹے چھری کٹار　　گاؤں بچے نا ہاٹ بزار
گونجن لاگے من کے تار
بھارت جاگی مچی پکار
بھارت جاگی مچی پکار

دوسرا دور سنہ ۱۹۳۰ء

۱

ہزار اُلجھنیں سہی　　ہزار کاوشیں سہی
ہزار دشت خار دار　　فلک کی گردشیں سہی
ہے وقت کی یہی صدا　　اٹھو بڑھو چلو چلو

۲

یہ باہمی عداوتیں نہیں نہیں رقابتیں
یہ کشمکش ہے زندگی نہ سمجھو ان کو آفتیں
کہو نہ کچھ بُرا بھلا اٹھو بڑھو چلو چلو

۳

اٹھا نہیں خمیر ابھی بنا نہیں ضمیر ابھی
رگوں کا خون ہے سُست سا تپا نہیں سریر¹ ابھی
بڑھو تو طے ہے مرحلہ اٹھو بڑھو چلو چلو

۴

ہچر مچر ہے موت اب ٹھٹک کچک ہے موت اب
پلٹنا پیچھا دیکھنا ہر اک اٹک ہے موت اب
کٹھن ہو لاکھ راستہ اٹھو بڑھو چلو چلو

۵

قدم کو ہے قرار موت وفا سے ہے فرار موت
سکون اب فریب ہے ہے اس کا لالہ زار موت
نہ دیکھو اپنے نقش پا اٹھو بڑھو چلو چلو

تیسرا دور دورِ حاضر

۱

ہزار لاکھ ہوں ستم جھکیں گے کس طرح سے ہم

۱ شریر یا سریر یعنی جسم

وہاں سے یاں تک آ لئے   سفر ہو لاکھ بیش و کم
رکیں گے کس طرح سے ہم   اٹھے قدم بڑھے قدم
اٹھے قدم بڑھے قدم

۲

نظر میں کل جہان ہے   اور عزم نوجوان ہے
عجب ہے اپنی عاشقی   کہ ہند اپنی جان ہے
عزیز ہیں عرب عجم   اٹھے قدم بڑھے قدم
اٹھے قدم بڑھے قدم

۳

سبھی اگر شعور ہو   تو غیب بھی حضور ہو
یہ وقت کی پکار ہے   ہر اختلاف دور ہو
یہ ہند پھر سے لے جنم   اٹھے قدم بڑھے قدم
اٹھے قدم بڑھے قدم

۴

تمام جال توڑ کر   حماقتوں کو چھوڑ کر
حریفِ نابکار کی   کلائیاں مروڑ کر
بلند اپنے ہوں علم   اٹھے قدم بڑھے قدم
اٹھے قدم بڑھے قدم

۵

ہزار لاکھ ہوں ستم   رکیں گے کس طرح سے ہم
عزیز ہیں عرب عجم   یہ ہند پھر سے لے جنم
بلند اپنے ہوں علم   اٹھے قدم بڑھے قدم
اٹھے قدم بڑھے قدم

دو خط

ہر دو خط جواباً لکھے گئے ہیں۔ پہلا سید سجاد حسین صاحب کے نام ہے جو میرے بچپن کے ساتھی اور میرے استاد سید الطاف حسین صاحب کاظم کے چھوٹے بھائی ہیں اور دوسرا پیر شریف احمد صاحب کے نام۔ یہ دونوں صاحب دوست ہونے کے باوجود نہ صرف عافیت کوش ہی ہیں بلکہ اول الذکر ایک مذبذب بزرگ ہیں اور دوسرے صاحب خیر سے ہوا خواہ سرکار بھی واقع ہوئے ہیں۔

پہلا خط

۱

اے برادر، برادرِ استاد — خط ملا آپ کا میاں سجّاد
اپنے جذبات کی روانی میں — کہہ گئے بات اک عمیق زیاد
یعنی آئندہ طرز کا مذکور — اک نئی وضع کی کوئی ایجاد
وہ وضع وہ عمل وہ کوئی بات — کاش ایسی ہو جس پہ میں کروں صواد
پھر تو مِل جُل کے ہم چلیں کچھ دن — دونوں کی ہو کہیں جو ایک مراد

۲

اے شفیق، اے رفیق، اے مشفق — میری یہ بات آپ رکھیں یاد
آج طوفاں کا گو زمانہ ہے — کل مگر آ رہی ہے بادِ مراد
آج اور کل میں ہے گر وقفہ — اس میں سب کچھ ہے آگ شعلہ جہاد

اسی وقفے میں ہو گی وہ تعمیر
پڑ چکی جس کی پہلے سے بنیاد

ایسی تعمیر جس پہ ہو نازاں
آج اور کل کی نسلِ آدم زاد

یعنی ایسی سماج کی تعمیر
جس میں ہو ظلم اور نہ کینہ فساد

جس میں افلاس ہو نہ یہ کھٹکا
"بھوک کی مر جائے گی مری اولاد"

ہے اگر آپ کا یہی مقصد؟
ہے اگر آپ کا یہی ارشاد؟

گر خیال اس طرف کو آیا ہو
تو ہیں پھر لاکھ اس پہ میری صواد

۳

ہے یہ منزل مگر کڑی پیارے
ہے بہت خار دار راہِ مراد

جبر اور ظلم کے مٹانے کو
جھیلے جاتے ہیں ظلم و استبداد

چھوڑی جاتی ہے طرز و وضعِ کہن
ڈھائے جاتے ہیں سب غرور نژاد

تب کہیں بات جا کے بنتی ہے
اور گھٹتی ہے ظلم کی میعاد

۴

آپ کی وضع جو رہی اب تک
اس سے ڈرتا ہوں اور رہو نہ مراد

صرف جذبات کی روانی ہو
یا ہو کسی کی کوئی پرانی یاد

یا رگ و خول کا دورِ اضمحلال
کرنے بیٹھا ہو نالہ و فریاد

یا مروّت کا یہ تقاضا ہو
کہ کرے لفظ ایسے کچھ ایجاد

جس سے تسکین ہو دوست کے دل کو
اور مدھم ہو قید کی افتاد

۵

ایسے بچپن کے ہمنوا ساتھی
جس کی پختہ نہ دوستی نہ عناد

یاد میں اس کی تم نہ بہ جانا
تھوتا ہے اس کا تھر ہو کہ وداد

مجھ کو تسکیں ہے میرے تخمینے — پورے اترے ہیں کوئی کم نہ زیاد
تم سے ہے التجا بس ایک یہی — ہو نہ سجّاد اور نہ ہو شدّاد

دوسرا خط

پیر صاحب! جناب کا پیغام — ہوئی مدت کہ پہنچا تھا مرے نام
لکھنے بہ تاکید ہوں جواب میں شعر — لاکھ ہوں گو میں شاعرِ بدنام
لیکن اس شعر کا نہیں قائل — جو نہ ہو اک طرح کا خود الہام
جو نہ اُبلے مثالِ چشمۂ پاک — اور نہ بن جائے رودِ بے آرام
شعر ایسا ہے جذب پر مبنی — جو نہیں قائلِ سجود و قیام
جیل میں گو کہ لاکھ فرصت ہے — نہیں کچھ کام صبح سے تا شام
جرم ہے سخت یاں مگر تحریر — ہے تخیّل کا گشت گویا حرام
ایسی پابندیوں میں کیا لکھوں — کس طرح دل کا ماجرا لکھوں

۲

ہے مگر سخت آپ کا اصرار — کر نہیں سکتا اس لئے انکار
سنئے حضرت جناب پیرِ طریق — اپنے جُرموں کا ہے مجھے اقرار
اور پھر یہ بھی صاف کہتا ہوں — میں نہ چھوڑوں گا وہ وضع زنہار
جس کو چھوڑا نہ آج تک میں نے — گئے برداشت سارے لیل و نہار
کھیل بچوں کا یہ نہیں حضرت — اور نہ بنیوں کی باہمی تکرار
عمر بھر کی مری کمائی ہے — اس سے کیسا گریز کیسا فرار

بال بچوں کا غم کہ دوست کا فکر
ایسی محدودیات کا کیا ذکر

۳

اپنی دُنیا نہیں فقط اتنی — جس میں بیٹے ہوں بیٹی ہو بیوی
چند ہوں دوست چند خاص عزیز — یا کہ ماں باپ اور محض بھائی
نسلِ انساں نے چھوڑ دی یہ ڈگر — جو کہ تھی وضع جانور کی سی
کھنچ گئی ہے زمین کی رگ رگ — 'قوم' بھی اب ہے، بات بھولی سی
سارا روئے زمیں ہے اب اک گھر — اور نہیں کوئی یاں پہ پردیسی
پھر بھی تفریق کے ہیں کچھ کیڑے — ہونے دیتے نہیں جو یکجائی
'ہم' کریں گے اسی مہم کو سر — کون ہم؟ اس پہ ہے غزل لکھی

اپنے ہاتھوں کی ہے یہی تقدیر
آج زنجیر کل مگر شمشیر

کیا کہیے؟

مردہ بے دل لگی کو کیا کہیے؟ — کہیے اس آدمی کو کیا کہیے؟
جیل میں سب کا ہے یہی کچھ حال — ایسی مردہ دلی کو کیا کہیے؟
دل ہنسے ہونٹ مسکرا نہ سکے — ہائے ایسی خوشی کو کیا کہیے؟
قید کی زندگی کو کیا لکھیے؟ — ایسی افسردگی کو کیا کہیے؟
کھانے کو گو کہ کچھ میسّر ہے — لذتِ بے حظی کو کیا کہیے؟
دشت ویراں میں جب تخیل ہو — رات بھیگی ہوئی کو کیا کہیے؟
ہو نظر جب کہ محوِ بختِ سیاہ — پھر کھلی چاندنی کو کیا کہیے؟
بد دعاؤں پہ جن کی آشا ہو — ان کی اس بے خودی کو کیا کہیے؟
جرمنی کی شکست کو سن کر — یہاں کی اس مردنی کو کیا کہیے؟
رُوس کی جیت سے ہو افسردہ — کہیے اس دوزخی کو کیا کہیے؟
جو نہ اسبابِ جنگ کو سمجھے — اس کی اس آگہی کو کیا کہیے؟
جو نہ جنتا پہ اعتماد کرے — کہیے اس لیڈری کو کیا کہیے؟
چھوڑ بھاگے جو ناؤ ادھم میں — ہائے اس لعنتی کو کیا کہیے؟
جو ٹٹولے جوان لمڈوں کو — ایسے بوڑھے ولی کو کیا کہیے؟
کچکچاتا ہے جوش میں جب وہ — شکل اس پچپچی کو کیا کہیے؟
چاہتا ہوں ہنسوں نہیں ان پر — دل کی پرگدگدی کو کیا کہیے؟

بیٹی عطیّہ کے نام

یہ دو منظوم خط عطیہ بیگم سلمہا کی شادی کے موقع پر لکھے گئے جو عین نکاح کے موقعہ پر اسے ملے۔

نہیں ہیں آ کے کہوں کچھ، میں آ نہیں سکتا
جو چاہوں تم کو بلاؤں بلا نہیں سکتا

امنڈ رہا ہے مرے دل میں آج طوفاں اور
یہ کیسا طوفاں؟ کہ جس کو بتا نہیں سکتا

امنڈ امنڈ کے سمٹ جاتا ہے یہ رنگیں راگ
ہزار چاہوں کہ گاؤں پہ گا نہیں سکتا

سمٹ سمٹ کے بنا دل میں ایسا گوہر سرخ
کہ لعل سامنے بار اس کے پا نہیں سکتا

جگہ اگرچہ بہت ہے مرے تخیل میں
مگر وہ اتنا بڑا ہے سما نہیں سکتا

بھرا ہے اس میں محبت کا تند اک سیلاب
کہ اعتدال جسے میں سکھا نہیں سکتا

تڑپ رہی ہیں محبت کی بجلیاں جن کی
کوئی بھی برق جمالی کو پا نہیں سکتا

ہے نورِ چشم تری یاد ہی کا یہ طوفاں
بڑھا تو سکتا ہوں اس کو گھٹا نہیں سکتا

۲

آغوشِ شوق آج ہے زنداں مجھے لئے
تاریکیاں ہیں آج چراغاں مرے لئے

سلاخوں سے ہوا کی یہ سرگوشیاں نہ پوچھ
ہونٹوں میں آج ہیں وہ غزلخواں مرے لئے

عطیہ ہے آج میرے تخیل کی روشنی — رنگِ خزاں ہو کیوں نہ بہاراں مرے لئے
شادی وہاں ہے بزمِ تمنّا یہاں ہے شاد — وحشت کدہ ہے آج گلستاں مرے لئے
حسرت ہے رُوسیاہ تو مایوسیاں ذلیل — ہر رنج میں ہے لطف کا ساماں مرے لئے
شرمندہ ہو کے تلخیِ زنداں کی کلفتیں — زنداں کو کر رہی ہیں خیاباں مرے لئے
بے جُرم یہ اسیری اور بے وجہ یہ فراق — گل زہر آج عیشِ فراواں مرے لئے

اے دخت! نورِ مادر و اے چشمِ مطلبؔ!
ہاں آج ہو نہ تو بھی پریشاں مرے لئے

عطیہ کے خط کے جواب میں

اے نورِ نگاہ پیاری بیٹی
دل کی مری چاہ پیاری بیٹی

باوا کے لئے تڑپنے والی
رو رو مجھے یاد کرنے والی

خط تیرا ہے دل دُکھانے والا
غمگیں ہوا باپ چاہنے والا

مایوس تمہاری پڑھ کے باتیں
ہوں کیوں نہ سیاہ میری راتیں

افسردگی آشنا نہیں ہیں
پھونکوں سے بجھو دیا نہیں ہیں

غمگیں ہوا دیکھ ایسی تحریر
ہے میرے لئے جو وجہ تعزیر

بے ہمتی کو تمہاری دیکھا
کیوں دل پہ لگے نہ میرے گھونسا

اولادِ حسینؓ ہو تم عطیہ
عطیہ ہو کہ نام ہو سکینہ

نسلوں میں ہماری خوں وہی ہے
اجداد کا سا جنوں وہی ہے

حق جاننا حق پہ پران دینا
قربانیِ جسم و جان دینا

افتادیں پڑیں انہیں اٹھانا
اور تیر لگیں تو مسکرانا

ہے اپنے گھرانے کا یہ انداز
اس پر ہی ہمیں آج تک ناز

مانا کہ جدا کیا گیا ہیں
مانا کہ ہوں تم سے چھُٹ گیا ہیں

صدموں نے تمہیں ہے گو ستایا
دشمن نے ہے جی کو گو جلایا

فریاد و فغاں سے لیک کیا کام
ہم کو کہ ہیں آلِ شیخ اسلام

ٹکراتے ہیں جو مصیبتوں سے　　گھبراتے نہیں جو آفتوں سے
اولادِ علی کے ہے یہی شان　　سب آدمی ہیں مگر ہم انسان
افسردگی ہے حرام تم کو
واجب ہے خوشی دوام تم کو

رفیقوں کی جدائی

یہ نظم کومریڈ بحال سنگھ (دہلوی) کی رہائی پر جو بوجہ شدید علالت بجائے ۳ر اک
۲۶ر ستمبر کو ہوئی۔ سپردِ قلم کی گئی۔ کومریڈ موصوف اور میں جیل میں ایک ہی جگہ رہا کرتے

"رفیقوں کی جدائی ہے جدائی" مثل سچی یہ ہم نے آج پائی
یہ کیوں اُجڑی ہوئی ہے من کی دُنیا یہ کیوں اب بن گئی بستی پرائی
یہ کیوں دِل چھیلتے ہیں سانس ٹھنڈے ہے کیوں فریاد کی لب تک رسائی
یہ کیوں اندھیر ہے اِن قمقموں میں ہے کیوں اشکوں کی پلکوں پہ چڑھائی
وہی بارک تو ہے جو شام تک تھی یہ کیوں بدلی ہوئی ہے سب خدائی
نہیں کرتا ہے سنکی اسکی آہٹ نہیں کمزور وہ آواز "بھائی"
خوشی تو ہے گیا وہ دلبروں میں ہوئی ویران پر دل کی ترائی
نہ بھولے گا تیرا یہ ساتھ رہنا نہ بھولے گی کبھی تیری جدائی
خوشا ساعت کہ سیّد تجھ کو دیکھے شگفتہ پھر ہو ذوقِ آشنائی

بحال! اے ہم نفس! اے دوست! اے دل!
ترا جانا ہے، دردِ نارسائی

ستارۂ صبح کو دیکھ کر

نڈتے رہیں تیری کرنوں سے دھارے   یونہی جگمگاتے رہیں یہ کنارے
رے گو بہت دلربا ہیں نظارے   سلاخوں سے نہ جھانک ہم کو پیارے
چمک ہاں چمک صبح کے او ستارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

ہیں دیکھنے میں مزا کیا دھرا ہے   مزا جیل میں کیا جو آفت بھرا ہے
نہیں قیدیوں کا یہ آفت کدہ ہے   لگاتے ہیں جو شام کو گا کے نعرے
لگاتے ہیں نعرے وطن کے دلارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

ظر تیری اے ہم نوا دور بیں ہے   نہیں تجھ سے پوشیدہ وہ سرزمیں ہے
ہیں وہ جو اس وقت حسنِ حسیں ہے   مساوات جھلکتی ہے جس کے دوارے
ہے تعمیر میں جس کی خونوں کے گارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

وہی سرزمیں جس کے باسی ہیں ہمدم   اٹھائے مساواتِ عالم کے پرچم
ذرا دیکھ ان شیر مردوں کے دم خم   نہ گھبرا، کئے جا تو ان کے نظارے
غریبوں کے ہونے کو ہیں وارے نیارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

تجھے دیکھ یاد آگئی اک حسیں کی — کھلی چاندنی سی کسی نازنیں کی
کہیں تو نہ بندی ہو اس کی جبیں کی — جسے میں نے پایا تھا جمنا کنارے
کنارے جو ہیں دل میں سرسبز سارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

مگر بے مزہ ہیں یہ رنگین یادیں — نہیں محرم دل وہ غمگین یادیں
نہ اب دے سکیں گی وہ تسکین یادیں — فرائض کے کچھ اور رہی ہیں اشارے
اشارے کہ آکاش کے توڑ و تارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

تقاضائے عقل و فراست یہی ہے — وطن کی اگر ہے تو خدمت یہی ہے
میری جان کی آج قیمت یہی ہے — کہ ہو جاؤں قرباں وطن کے دوارے
وطن جس کے فاشسٹ دشمن ہیں سارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

میں شاعر سہی لیک دکھیا نہیں ہوں — ہوں دنیا کی محفل میں تنہا نہیں ہوں
میں طوفاں ہوں آنسو کا ٹپکا نہیں ہوں — اگلتا ہے سینہ مرا وہ شرارے
شرارے کہ شرمائیں تجھ سے ستارے
ہمیشہ چمک صبح کے او ستارے

لال جھنڈا

شہیدوں کے خونوں سے رنگین جھنڈا　　غریبوں کی لاشوں کی تزئین جھنڈا
شکستہ دلوں کی ہے تسکین جھنڈا　　خدایانِ دولت کی توہین جھنڈا

اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جئے جائیں گے ہم

بڑھو! آؤ! ہم اس کو اونچا اٹھائیں　　حفاظت میں اس کی سروں کو کٹائیں
وہ غدّار، نامرد کتنا ڈرائیں　　ہمیں لاکھ روکیں ہزاروں بلائیں

اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جئے جائیں گے ہم

اندھیرا تھا جب سارے عالم میں یکسر　　یہ لہرایا تھا تب ہمارے سروں پر
گواہ اس کی طاقت کے ہیں زار و ہٹلر　　تھپیڑوں سے لرزاں ہیں اس کے تونگر

اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جئے جائیں گے ہم

گذشتہ زمانے کی ہے یاد اس میں　　ہے معصوم انساں کی فریاد اس میں
جھلکتا ہے اک دورِ آزاد اس میں　　منوّر ہے انسان آباد اس میں

اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جئے جائیں گے ہم

مبارک تجھے تیری سرمایہ داری مبارک تجھے چوکھٹوں کے پجاری
مبارک غلامی تجھے او بھکاری مگر دوست آئی ہے اب اپنی باری
اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جیے جائیں گے ہم
قسم ننگ جیلوں کے صید زبوں کی قسم تختۂ دار و شمشیر خوں کی
قسم ہم کو اس پرچم لالہ گوں کی قسم کھا کے کہتے ہیں اپنے جنوں کی
اسی لال جھنڈے کو لہرائیں گے ہم
اسی آرزو میں جیے جائیں گے ہم

اشتراکی کانفرنس بمبئی کے نام

جیل کے ساتھیوں کی جانب سے مختصر سا میں دیتا ہوں پیغام
اسے ہوا تو اُڑا کے پہنچا دے کھیت واڑی میں بمبئی کے مقام

جیل کے ساتھیوں کی جانب سے

لال ہندوستان کے پوتو ہر قدم ہے ہمارا باعثِ ناز
آج مایوسیوں کے عالم میں گو بغتی ہے ہماری ہی آواز

لال ہندوستاں کے پوتو

غلط اقدام کا نتیجہ ہے ملک بے بس پھنسا پڑا ہے آج
کانگریسی ہیں بند جیلوں میں اور خونی ہے سامراجی راج

غلط اقدام کا نتیجہ ہے

انقلابی فضا کا ہے یہ طفیل عافیت کوش انقلابی ہیں
لیگ ہو معتدل ہو کوئی ہو سب ہی کہتے ہیں ہم شرابی ہیں

انقلابی فضا کا ہے یہ طفیل

ساری دنیا کی ہے نظر تم پر کیا قدم دوسرا اٹھاؤ گے
جس سے فسطائیوں کو کچلو گے جس سے سمراج کو جھکاؤ گے

ساری دنیا کی ہے نظر تم پر

گو کہ مجبورِ قید و بند ہیں ہم　　　اور سینہ بنا ہُوا ہے کباب
حکم کے منتظر تمہارے ہیں　　　عزمِ محکم پہ آ رہا ہے شباب
گو کہ مجبورِ قید و بند ہیں ہم

غزل

یہ ہیں کون جو دل میں آئے ہوئے ہیں
اور اک آگ سی جو لگائے ہوئے ہیں

ہم ہی زخم پر زخم کھائے ہوئے ہیں
ہم ہی سوزِ غم کے جلائے ہوئے ہیں

ملے خواب میں بھی تو انداز دیکھو
کہ آنکھوں سے آنکھیں چرائے ہوئے ہیں

انہیں کیا نگھوں میں آل محبت
جو خود تیر سینے پہ کھائے ہوئے ہیں

تصنّع کے قربان چینِ جبیں ہیں
مگر خنجر سے مسکرائے ہوئے ہیں

سہے ہم نے دشنام اور قید دشمن
مگر اپنے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہیں

بہت پھرتے تھے مست و بے باک سیّد
پر اب خیر سے عشقیا ہوئے ہیں

توقعات

کب یہ کھلے گی کالی کھڑکی کب پنچھی اُڑ جائینگے
ایسا موسم کب آئے گا اُڑ اُڑ کر سب گائینگے

اس پنجرے کی ہر ہر تیلی سپن میں بھی برماتی ہے
دھیان سے کب یہ نکلے گی کب اس سے رہائی پائینگے

برس رہے ہیں آج تو ہم پر اولے بھی اور پتھر بھی
افق میں ہیں کچھ چھدرے بادل امنڈ کے وہ بھی آئینگے

آئینگے اور چھا جائینگے آکاش کے کونے کونے میں
پون چلے گی ایسی پنچھی سب پنجرے کھل جائینگے

نکلیں گے سب پنچھی باہر سکت نہ ہوگی پنکھوں میں
شکرے بہری کے ڈر سے کچھ پنجروں میں گھس جائینگے

کچھ ٹکرا کر جانیں دینگے سکت تبھی تو آئے گی
ہر دیسے ناتھ کی کائرتا سے جب ہی رہائی پائینگے

آکاش پہ چھا جائینگے سارے ٹوٹ پڑینگے دشمن پر
سارے ساتھی کائر پنچھی منہ کھولے رہ جائینگے

بہکے ہوئے وطن پرست سے

جو جے چند نے سوچا تھا کیا تو نے بھی وہ سوچا ہے
جو جنگ پلاسی سے نکلا کیا وہ ہی آج نتیجہ ہے
جو فطرت باہر کو لائی انگریز کو لاکر پچھتائی
کیا اب بھی رہے گی وہ چھائی؟ جس کا کہ غلامی پیشہ ہے

تبدیلیٔ آقائے پیہم تو صرف تماشائی ہمدم
یہ زیست نہیں، ہے موت سے کم، یہ ننگ شرافت شیوہ ہے،
اس وحشی درندے کی آہٹ، ہے تیرے لئے دل کی فرحت
خون کوریا کا جس نے چوسا اور چین کو جس نے کھایا ہے
لاکھوں کو جس نے اندھ کیا اور کنواریوں کی عصمت لوٹی
اور لکھو کھا معصوموں کا جس نے خون بہایا ہے
ٹھیک ہے بے شک افرنگی سے برہم ہو کر چھٹ جانا
جاپان کے چنگل میں پھنسنا کس طرح یہ تجھ کو زیبا ہے
ہر سامراجی وحشی سے واجب ہے تیرا ٹکرانا
اس دورِ غلامی میں رہنا اے دوست نہیں گر بھاتا ہے
انگریز ہو یا جاپان ہو وہ غلمان نہیں شیطان ہے وہ
جو دیش پہ چڑھ کر آتا ہو اس دشمن سے کیا ناتا ہے؟

اک سمت ہے دنیا بھر کی جنتا آزادی کی متوالی
سوویٹ چین کا بچہ بچہ جس جنتا کا اگوا ہے

دوسری جانب کو ہیں سارے دنیا بھر کے خونی وحشی
جرمن اور جاپان کا جن کے منہ سے نکلتا کلمہ ہے

تو خونی دل کا بن لقمہ یا ساتھی بن آزادوں کا
تو چاہے بیچ ان سے نکلے ایسا نہیں کوئی رستہ ہے

ہند کی آزادی کی ضمانت فتح میں ہے کل جنتا کی
عزم اسی کا آج ہماری ناؤ کا کھیون ہارا ہے

امتحانِ عشق میں کچھ اور باقی ہے

رکھیں گی کب تلک یوں پا بہ جولاں ہم کو زنجیریں؟
ہنسیں گی کب تلک اہلِ وفا پر ان کی تقدیریں؟
مذمّت ہو گی کب تک جرمِ عشقِ ملک و ملّت کی؟
کہاں تک مشتہر ہوتی رہیں گی اپنی تقصیریں؟
کچوکے جائیں گے وہ سینۂ عشاق یوں کب تک؟
وہ کب تک خنجرِ برّاں سے جتلائیں گے تعزیریں؟
کہاں تک پھانسیاں دی جائینگی اربابِ الفت کو؟
یہ ہوں گی کب تلک قصرِ وفا کی ان سے تعمیریں؟

یہ سنکر نالہ و فریادِ سیّد خود تخیّل میں
ہنسیں اور بول اٹھیں تاریخ انسانی کی تصویریں
"چڑھانی ہیں بہت بھینٹیں بھی درگاہِ الفت میں
لپکتی ہیں کہ ہیں پیاسی ابھی اس بت کی شمشیریں"

ابھی تو امتحانِ عشق میں کچھ اور باقی ہے
ابھی ہیں تشنۂ سامان آزادی کی تدبیریں

انجامِ انبالہ

یہ مٹی سے لپی مٹی سے ہی چھائی ہوئی کوٹھی
خود اپنی ننگ دامانی سے شرمائی ہوئی کوٹھی

یہی وہ کوٹھڑی ہے جس کو کوٹھی لوگ کہتے ہیں
اسی کوٹھی میں سیّد آج کل خاموش رہتے ہیں

کہ نو فٹ جس کی لمبائی ہے اور اتنی ہی چوڑائی
اسی میں طشت چوکی ہے اسی میں اپنی چارپائی

اسی میں کروٹیں لے لے کے ہر شب بسر ہوتی ہے
اسی تحت الثریٰ سے عرش تک کی سیر ہوتی ہے

یہیں آہیں نکلتی ہیں وطن کی تیرہ بختی پر
یہیں پر سانس لگتی ہیں مرے عزموں کی سختی پر

یہیں دروازے کی سنخیں ہیں جن سے جھانکتے ہیں ہم
انھی سے رات کے تاروں کی دوری ناپتے ہیں ہم

یہیں افکار کی بارش سے ہم سیراب ہوتے ہیں
یہیں بحرِ تخیّل میں سے ہم پایاب ہوتے ہیں

کبھی غوطے پہ غوطے کھاتے ہیں افکار کے اندر
کبھی اڑتے نظر آتے ہیں خود انوار کے اندر

کبھی مایوسیاں افسردہ کرتی ہیں ڈراتی ہیں
کبھی امیدیں آ آکر فتح کے گیت گاتی ہیں

اسی ہی طرح کا ہے دن اور ایسی شامِ انبالہ
پر اتنا جانتے ہیں ہم نفس انجامِ انبالہ

کہ ہر انجمن وطن کے راہ میں ناکام ہی ہوگی
سیاہ یہ رات بھی اک دن سرور آشام ہی ہوگی

یادگارِ وطن

فرید جاتے ہیں ہمراہ شانتی بھی ہے
خلیل[1] وبھاٹیہ[2] کی اس پہ ہمرہی بھی ہے

بہارِ جیل کے کھیلوں کی آج جاتی ہے
ہے رنج سب کو مگر کچھ ذرا خوشی بھی ہے

یہ جیل چھوٹنے والا ہے ہم سے بھی سیّد
ملال ہے میرے دل میں تو ہمہمی بھی ہے

عجیب لطف سے سب ساتھیوں میں دن گزرے
سنی ہے بات کبھی تو کبھی کہی بھی ہے

وہ شکلیں دیکھیں کہ تھا جن پہ موت کا عالم
وہ محفلیں بھی جمیں جن میں دل لگی بھی ہے

وہ چہرے دیکھے کہ گلنار و خندہ مثلِ گلاب
کچھ ایسے جن پہ برستی ہوئی غمی بھی ہے

بہت دیکھے کہ جن کو نہ تھا شعورِ کلام
پر ایسے بھی تھے کہ کچھ جن کو برتری بھی ہے

وہ ذاتیں دیکھیں کہ بہروپیے جنہیں کہئے
بغل میں جن کے ہے نے ہرد تو مشتری بھی ہے

وہ مرد دیکھے جنہیں ایکٹر کا دیجے خطاب
وضع ہے لونڈے کی تو رنگ استری بھی ہے

اسے بھی دیکھا جو تھا گویا ڈیوڑھی کی کلید
بھگت ہے دیش کا تو جیل سنتری بھی ہے

شریف دیکھے ہری لال سے شگفتہ مزاج
نیاز و ناز میں سنجیدگی بھری بھی ہے

نہ رنج کیسے ہو چھٹنے کا ایسے لوگوں سے
کہ جن کی خدمت و عظمت میں سروری بھی ہے

یہاں کی خاک میں ہے مشکبوئے انصاری
ظفر علی کے تخیل کی کچھ تری بھی ہے

نہ بھولے گا کبھی گجرات کا قفس سیّد
ہے یادگارِ وطن گشتِ شاعری بھی ہے

1 مولوی خلیل الرحمان صاحب پسر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی 2 ڈاکٹر رتن لال بھاٹیہ امرتسری۔

مسٹر چرچل کی تقریر اور ہندوستان کی آزادی

اس نظم میں ان اہنساوادی اصلاح پسند (کانگریسی) نکتہ چینیوں کو مخاطب کیا گیا ہے
جو مسٹر چرچل کی اس تقریر پر بگڑ رہے تھے کہ امریکہ و انگلستان کے اقوام مفتوحہ کی طمانیت کے
اعلان میں ہندوستان اور ممالک مفتوحہ برطانیہ شامل نہیں ہیں ؛

ہندوستاں میں پہنچیں چرچل کی یہ صدائیں
"ہندوستان والے چیخیں نہ غل مچائیں"
"آزادیاں ہیں حصّہ یورپ کی سرزمیں کا
اہلِ قفس کو حق کیا جو اس کے راگ گائیں"

گجرات جیل والے یہ سُن کے خوب بگڑے
کہنے لگے کہ "ظالم کی ہیں عجب ادائیں"
میں نے کہا کہ "اس میں اس کا قصور کیا ہے؟
للہ آپ ہم کو کچھ سوچ کر بتائیں"

"بتلائیں ہم کو حضرت! کیا تیر تم نے مارے
وہ کام کیا کیا ہے جس پر کہ بل دکھائیں"
"کہتے ہو دُکھ نہ پہنچے دشمن کی آتما کو
گر اس پہ ہو مصیبت ہم اس کو دیں دعائیں"

"جس طرح چاہیں دشمن لُوٹیں ہمارے گھر کو
فوجیں ہماری لے کر جس دیس پر چڑھائیں"

"انگلی نہ ہم ہلائیں دو چار ماریں نعرے
اور جیل میں پھر آ کر چرخا پڑے چلائیں"

"باہر رہیں جو بھائی کہہ دیں سوراج لینگے،
معنی سوراج کے وہ چاہیں جو خود بتائیں"

"یہ بھیک وہ نہیں ہے مانگے سے جو ملے گی
سو بار چاہے گائیں اور تالیاں بجائیں"

"مرنے سے بھاگتے ہو جینے کی ہے تمنّا
وہ جی نہیں سکے جو مرنے سے جی چرائیں"

"دریا بنے ہیں قطرے خود اپنی جان کھو کے
صحرا بنیں گے ذرّے اپنے کو جب مٹائیں"

"آزادیاں ہیں حصّہ مردانِ خونچکاں کا
سو بار سر کٹائیں ہر بار بھول جائیں"

معاونتِ الٰہ بخش (خان بہادر)

یہ نظم ڈاکٹر چوتھ رام گڈوانی (ممبر سندھ اسمبلی) کے اس بے چینی کے جواب میں لکھی گئی ممدوح کو گاندھی جی کے اس فیصلے سے کہ خان بہادر الٰہ بخش وزیر اعظم سندھ (ممبر ڈیفنس کونسل) کی مدد بدستور کانگریسی ممبران سندھ اسمبلی کریں' پیدا ہوئی تھی۔

چھپا یہ فیصلہ گاندھی کا اخباروں کے کالم میں
"الٰہ بخشو کی ٹھونکیں پیٹھ اب بھی کانگریس والے
"نہ چھوڑیں ساتھ اس کا گو حکومت کا وہ گرگا ہے
کرے وہ جنگ میں امداد یا انگریز کو ٹالے"
تڑپ اٹھے یہ سن کر سندھ کے سردار گڈوانی
جنہوں نے اپنا جیون جان وطن پر دان کر ڈالے
لگے کہنے "لپٹ کر رہ گئے تھے کمبلوں میں ہم
مگر اب تو جگر پر چل رہے ہیں تیر اور بھالے"

ا جب سندھ کے کھادی آشرم نے گورنمنٹ کی جنگ میں کمبل مہیا کرنے کی فرمائش قبول کر لیا۔ تو اس سے کانگریس حلقوں میں بڑا انتشار پیدا ہوا جسکے جواب میں مشرو والا نے گاندھی کی طرف جواب دیا کہ 'یہ جنگ کی تیاریوں میں شرکت نہیں کیونکہ وہ کمبل ہیں بارود نہیں ہیں اس فرمائش کا قبول کرنا محض تجارت ہے'۔

"اہنسا کا کرے کھنڈن زبانِ مرشدِ کامل
زرہ بکتر ہیں جو نکلے وہی تیغ و سپر ڈالے"

کہا میں نے کہ "قبلہ یاد کیجے اپنے وہ کوتک
جو لالچ میں وزارت کے کبھی تھے تم نے کر ڈالے"

کہا تھا یہ کہ "ہم آئینِ نو کی جڑ اُکھاڑیں گے
لپٹ کر بن گئے گُدڑے چمپٹ کر ہو گئے ڈالے"

"خود اپنے بھائیوں پر گولیوں کی آزمائش کی
کئے خود ساتھیوں پر تیر سب انگریز کے بھالے"

"مگر کھٹکی نہ تم کو خامشی مرشد کی جب ہمدم
بہاری سبوکوں نے جب کسان جیلوں میں بھر ڈالے"

"اہنسا کی ڈبوئی ناؤ جب پونا کے ساحل پر
اہنسا آتمک بھگتوں کے کیوں منہ پر پڑے تالے"

"دھرم والوں کے بھر کر سانگ اب تک خوب ہی کھیلے
رہو گے کب تلک بھولے بنو گے کب تلک بالے"

"بناوٹ اور سیاست نبھ نہیں سکتی ہے اب قبلہ
حقیقت جب اجاگر ہو بناوٹ کے ہوں منہ کالے"

"کسی طوفاں کی آمد سے بہے جاتے ہیں سب دھو کے
سمٹ جائینگے وہ دریا جو ہیں سب ریت کے نالے"

"فقط ہلکے سے جھگڑے سے ہوئے بھر ڈپٹے ننگے
گر عاقل ہو تو بن جاؤ تم اس طوفاں کے متوالے"

"چلے آؤ تم اس رُخ پر جہاں زندوں کی بستی ہے
کھڑے ہیں جو کفن باندھے یہی ہیں اک وطن والے"

"نہیں منظور جن کو ساہوکاروں کی رہے شاہی
وہ پیلے ہوں کہ گورے ہوں وہ گورے ہوں کہ ہوں کالے"

"بجے مزدور کا ڈنکا کسانوں کا اٹھے جھنڈا
فتحمندوں کے ہوں نعرے نہ ہوں فریاد اور نالے"

"نہیں منظور گر یہ محترم تو شکوہ مت کیجے
اسی چوکھٹ پہ پھر جھکیے گناہ کا بار بھی لیجے"

نظر بندی

پنجاب گورنمنٹ کا حکمِ نظر بندی دیکھ کر

لو جیل میں آ پہنچا ہے حکمِ نظر بندی　　صیاد نے کر ڈالی خود گھر کی ہی ز
محدود کرے گی یوں طاقت کی سحر بندی　　جس طرح کبوتر کی کی جاتی ہے پَر
کابک سے نہ وہ نکلے پرواز نہ کر پائے
اور نکلے اگر اس سے پھندوں میں الجھ جائے

ہاں قتل کرو مجھ کو اور چاہے مسل ڈالو　　آنکھوں کو نکالو اور یا دل کو کچل
زنجیر کوئی لے کر پھندے بھی اٹل ڈالو　　اس جسم کو تم بے شک چکی میں ہی د
پر روح کی آزادی افکار کی جولانی
وہ بند نہیں ممکن جو روک لے یہ پانی

میں بلبلِ گلشن ہوں منقار مری باندھو　　ہاں آتشِ جولاں ہوں تلوار مری
میں شاعرِ طوفاں ہوں گفتار مری باندھو　　اٹھتی ہوئی آندھی ہوں سرکار مری
فطرت کی قیامت کو غنچے کے تبسم کو
وہ کونسی طاقت ہے جو روک سکے ہم کو

ہند کے ہر نوجوان سے

۱

جب ناؤ بھنور میں آتی ہے اور آکے جھکولے کھاتی ہے
پتوار بھی گر کر اے ساتھی جب پانی میں بہ جاتی ہے
اور ناؤ کھویّا ملّاح بھی جب بل کھا کر گر جاتا ہے
وہ بتّی جس پر نازاں تھا جب خود اسکو لیجاتی ہے
مایوسی کے کالے بادل سے جب اولے پڑنے لگتے ہیں
اور آس نراس کی دنیا میں جب ایک تباہی آتی ہے
جب پیروں دیوں کی یادیں آتی ہیں اور ہٹ جاتی ہیں
خود اِشور کرتا دھرتا کی جب نین بدھ شرماتی ہے
جب ناؤ مسافر اے ساتھی مل مل کے گلے سے روتے ہیں
اور موت کی دیوی منہ پھاڑے جب اپنے دانت دکھاتی ہے
اس موت کے غمگیں عالم میں بربادی کی اس دُنیا میں
انسانی غیرت اٹھتی ہے اور خود کشتی بن جاتی ہے
دیوانے بھوتوں کی طرح سے لہروں سے انساں لڑتے ہیں
یہ اگنی مانس شکتی کی نیّا کو پار لگاتی ہے

۲

اپنی بھی بھنور میں ہے نیّا اے ہند کے باسی ہوش میں آ

ہاں ہوش میں آ، ہاں جوش میں آ ہمّت کو جگا بازو کو ہلا

سو سال سے زیادہ بیت گئے جو لوگ اُٹھے وہ جیت گئے

تیرے نہ پُرانے گیت گئے، غیرت کی قسم اب تو شرما

مرنا ہے تو مر جینا ہے تو جی، گر شہد نہیں تو زہر ہی پی

یہ بات نہیں ٹلتی ہے کبھی، مرنے جو بڑھا وہ ہی ہے جیا

پیروں کی مستی دیکھ چکا، دیوں کی شکستی دیکھ چکا

سب وہم پرستی دیکھ چکا اُٹھ ماتنس شکتی آج دکھا

طوفاں کی طرح، شعلے کی طرح، آندھی کی طرح، کوندے کی طرح

اور تپتے ہوئے لوہے کی طرح اُٹھ اور غلامی سے ٹکرا

رہ جائینگی یہ سب شمشیریں اور کٹ کے گریں گی زنجیریں

شرمائیں گی تجھ سے تقدیریں، ہاں آگ سہی تو جل تو جلا

غیرت کی قسم گر پہچانے، یہ آگ نہیں ہے دیوانے

یہ شمعِ وطن ہے پروانے، جو اس پہ جلا وہ مرنہ سکا

۳

مانا کہ بڑی اندھیاری ہے۔ مانا کہ طوفاں بھاری ہے

اور دشمن بھی ہتیاری ہے، پر تجھ کو کیا لاچاری ہے

ملّاح نہیں، ملّاح نہ ہو، چپّو بھی نہیں پھر کیا ہے ! نہ ہو

بلّی بھی نہیں؟ اچھا ہے نہ ہو، ہمّت ہی فقط تسوّاری ہے

وہ مانگتے ہیں انہیں لمگنے دے، وہ کانپتے ہیں، انہیں کانپنے دے
وہ بھاگتے ہیں انہیں بھاگنے دے یہ جنس بہت بازاری ہے
مقتول شہیدوں کی آہیں، مایوس غریبوں کی آہیں!
دکھلاتی ہیں تجھے سب راہیں پھر کون سی اب لاچاری ہے
جو سوتے ہیں انہیں زہر کھلا، جو اونگھتے ہیں انہیں دے دھکا
طوفانِ قضا سے خود ٹکرا، اب مردِ فنا کی باری ہے
ہاں دیکھیں تیری روانی کو، ہاں دیکھیں جوشِ جوانی کو
اُٹھ پھاڑ دے کالے پانی کو پھر دنیا تیری ساری ہے
مت بھول کبھی اپنا کینہ، اٹھ چیر سمندر کا سینہ
ممکن ہے جبھی تیرا جینا، تو تر ہے اگر یا ناری ہے

متھرا کا ایک دردناک نظّارہ

آج دیکھا ہمنشیں آنکھوں نے ایسا ماجرا
دیکھ کر سکتے کا عالم مجھ پہ طاری ہو گیا

جا رہا تھا اک طرف کھویا سا کچھ افکار میں
کرشن کی نگری میں یا متھرا کے اک بازار میں

چلچلاتی دھوپ! اور گرمی کی شدّت! الاماں
اٹھ رہا تھا سنگدل ڈامر کی سڑکوں سے دھواں

چل رہی تھی مسجد و مندر سے ٹکراتی ہوئی
آنے جانوں کو ہوا جاتی تھی جھلساتی ہوئی

چار سُو میری نگاہیں تھیں تلاشِ برف میں
ڈھونڈتا تھا دل کہیں مل جائے تو پانی کہیں

پڑ رہی تھی ان فلک آسا منادر پر نظر
جن کی تعمیروں سے اُجڑے لاکھوں انسانوں کے گھر

برف کی آیا دکاں پر میں جو منڈلاتا ہُوا
آدمی پہلو سے نکلا ایک بل کھاتا ہُوا

ہشت سالہ ایک لڑکی اسکے آگے تھی رواں
آہ اس بڈھے کی کشتی کی تھی وہ ہی بادباں

جا رہی تھی ایک لاٹھی کا سرا تھامے ہوئے
باپ پیچھے چل رہا تھا دوسرا تھامے ہوئے
سر پہ اک شہتیر رکھے جا رہا تھا نیم جاں
نور سے محروم تھیں آنکھوں کی دونوں پُتلیاں
اس طرح سے تھیں نمایاں ہڈیاں رخسار کی
جیسے دو اینٹیں نکل آئیں کسی دیوار کی
کنپٹی کے دو گڑھے چہرے پہ اک سوکھی سی ناک
ایک بوسیدہ سی ٹوپی ایک کُرتا چاک چاک
ہڈیاں سینے کی دانتوں کی طرح ابھری ہوئی
جس پہ کالے میل کی اک تہ سی کچھ چمٹی ہوئی
ایک چکٹی سی لنگوٹی سے ستر ڈھانپے ہوئے
ہاتھ سے شہتیر کی اک لرز تھامے ہوئے

لعنت اے سرمایہ داری لعنت اے شاہنشہی
یہ مناظر ہیں تمہاری ہی فقط جلوہ گری
مسجدوں اور مندروں کے سایۂ دیوار میں
پیٹ بھرنے کے لئے اندھے بھی مزدوری کریں
تم سے کچھ شکوہ نہیں شکووں سے کچھ حاصل نہیں
ان سے کیا شکوہ کہ جن سینوں کے اندر دل نہیں

آدمی کے بھیس ہیں چھپنے لگے شیر و پلنگ
یہ تمدن ننگ عالم اس کی رعنائی بھی ننگ

گرسنہ ہندوستاں کا یہ مرقع دیکھ کر
کانپ اٹھا جسم سارا ہل گئے قلب و جگر

دل پکارا یہ فلک آسا "دکانیں" توڑ دو
وہ ہی کیا جو جو امارت کی ہیں شانیں توڑ دو

یہ سنہری یہ روپہلی ساز و ساماں پھونک دو
سارے گلشن پھونک دو سارے گلستاں پھونک دو

پھونک دو بنیادِ عشرت عیش و راحت پھونک دو
پھونک دو اسباب استبداد و غربت پھونک دو

گر نہیں ممکن تو یہ دنیا ہے اک آفت مقام
جس میں جینا ننگ ہے اور جس میں مرنا ہے حرام

دورِ فریاد و فغاں اب ہمنشیں باقی نہیں
وہ پرانی مے نہیں فرسودہ وہ ساقی نہیں

توہمات کی دُنیا

کھٹک رہی ہے بہت ان کو میرے بے دینی
جو چھوڑ سکتے نہیں دین کے لئے دُنیا
سمجھ رہے ہیں جو اپنے تئیں حُرِ کامل
بنا کے بیٹھے ہیں اللہ کو مگر حوّا
وہ چھوڑ سکتے نہیں اہل مال کی چوکھٹ
محمّدِ عربی سے ہے کیا یہی رشتہ؟
دلیل لاتے ہیں بوذر کی اور عثمانؓ کی
زکاتِ مال سے چاہتے ہیں سب چلے ڈھرا
یہ شخصیت کے پجاری یہ بتکدوں کے غلام
جنہوں نے جہل کو اپنا بنا لیا پیشہ
نہیں ملال مجھے ان کی کم نگاہی کا
نہ ہی یہ خوف کہ کردیں گے وہ مجھے رُسوا
مگر میں دیکھتا ہوں اس زمانے کو سیّد
پلٹ ہی جائے گا جب اس جہان کا نقشہ
مآلِ زندگیِ اِنس ہوگا جدّ و جہد
نہ ہی بنے گا زمانے کا ملجا و ماوا

یہ سود خور درندے لگان خور یہ سانپ
حرام خور وہ پنڈت کہ ہر شقی مُلّا
گدھوں کے سینگ کے مانند محو ہونگے جب
تو لوٹ مار کا مٹ جائیگا ہر اک دھندا
توہمات کی دُنیا اجاڑ بن ہو گی
کرے گا نوحہ زنی جس پہ اک سیاہ[1] کوّا
تو کون آکے جتائے گا میری بے دینی؟
تو کون آکے دکھائے گا پھر مجھے رستہ؟

[1] اس نظم میں جو گجرات جیل کے ایک سیاسی قیدی کی رات دن کی نکتہ چینی کے جواب میں
ہے یہ اشارہ اسی قیدی کے رنگ و روپ کی مناسبت سے ہے۔

روس کے لال (کے انقلابی) دستوں کا گیت

دہ بجا نقارہ جنگی ساتھیو! ہاں ہوشیار — کرو صف بندی کہ اب کرنا ہے وار
راہِ آزادی بنانے کے لئے — ہم لڑیں گے جنگ یہ مردانہ وار

ہم لڑیں گے جنگ یہ مردانہ وار

ہم کہ سب محنت کش و مزدور ہیں — ایک ہو کر اپنے دکھ سارے بھریں
ایکتا، بھائی پن و آزادی ہی — جنگِ آزادی کے اپنے ڈھنگ ہیں

ہم لڑیں گے جنگ یہ مردانہ وار

یہ امیر و حکمراں کرسی نشیں — کس نے طاقت دی کہ یہ چھینیں زمیں
خنجر و شمشیر و ہر توپ و تفنگ — سب ہم ہی نے ہیں بنائے بالیقیں

ہم لڑیں گے جنگ یہ مردانہ وار

بھک منگوں کی طرح کب تک زندگی؟ — کب سے ہے بیڑی غلامی کی پڑی
ہاں بڑھو۔ ہاں سرخ جھنڈا ہو بلند — صبح آزادی کی آ پہنچی گھڑی

ہم لڑیں گے جنگ یہ مردانہ وار

(ترجمہ)

سالگرہ انقلاب ۱۷ء

لو یاد ہمیں آج آتی ہے سن سترہ ماہ نومبر کی
جس دن روس کے مزدوروں نے ساری دنیا ششدر کی
مزدوروں کا ایکا بن گیا پھونک نرالے منتر کی
دولت کی پُر ہیبت دیبی بن کر رہ گئی پتھر کی

مزدوروں کی جنتا ہی اس لال سپاہ کی موجیں ہیں
دشمن کے لئے جو دیواریں ہیں برق و بلا کی فوجیں ہیں

اسکندر چنگیز ہلاکو جیسے بہت سے ہو گزرے
دنیا کی تباہی پیہم کی سب اپنی یادیں چھوڑ گئے
رحمت کے پیغام بھی اترے زحمت بن کر ختم ہوئے
مانس جاتی کے سب بندھن جیسے تھے ویسے ہی رہے

روس کے مزدوروں نے لیکن ظلم کی بنیادیں ڈھا دیں
سوئی ہوئی دنیا کی رگوں میں عزم کی لہریں دوڑا دیں

جس عزم نے روس کے ویرانوں کو سرسبز و شاداب کیا
جس عزم نے آدم کے کنبے کو پریت ریت کا درس دیا
جس عزم نے خالی باتوں کے بدلے زندہ نمونہ پیش کیا

خود غرضوں کی سازش کو جس نے رسوا اور بدنام کیا

گر ہوش ہے تو اس عزم کو دیکھو ڈان کی خونی موجوں میں
برفانی میداں کی سپاہ میں، اوجِ فلک کی فوجوں میں

لال فوج کی سالگرہ

جب روس کی جنتا نے ہمدم ہر ظلم و ستم کا ناش کیا
سرمایہ داری ختم ہوئی شاہی کا تختہ ٹوٹ گیا
دنیا بھر کے لیٹروں میں تب اس سے ہوا اک شور بپا
اندر اور ہر چار طرف سے سب نے دھاوا بول دیا

اس لال فوج کی بنیادیں تب لینن اعظم نے ڈالیں
تابوت پہ سرمایہ داری کے میخیں تھیں جس نے گاڑیں

جرمن کے فاشسٹ جنہوں نے یوروپ کو ویران کیا
اٹلی کے قسطائی جنہوں نے حبش کا تنا خون پیا
دنیا بھر کے لیٹروں نے پھر ان کو نیتا لیا بنا
سنسار کے آزادی کے گڑھ پر سب نے مل کے حملہ کیا

مزدوروں کے سندر دیش پہ وحشی درندے ٹوٹ پڑے
پونجی واد کی چھاتی سے جا ہٹنے تھے بچھر سر کے

اس لال فوج کو پھر دیکھو تم آنکھیں کھول کے آج ذرا
دُنیا کے ان فاشسٹوں کا جس نے قاتل حملہ سہن لیا
جنکی اک ہلکی سی ٹکر نے فرانس کا تختہ لوٹ دیا
دھن ہے اس سینا کو جس نے مزدوروں کا مان رکھا

پلٹ پڑی ہے آج وہ سینا برف کے خونی طوفاں میں
تیر رہی ہے فاشسٹوں کے خون کے گہرے دریا میں

نا یہ سینا ہے شاہوں کی اور نہ پونجی داروں کی
نا یہ غلاموں کا ریوڑ ہے نا قائل فریادوں کی
سچ ہے یہ روح مجسّم مظلوموں کی یادوں کی
آج بنی ہے ڈھال جو ساری دنیا کے ناشادوں کی

آشاؤں کی دنیا بھر کے مرکز آج یہ سینا ہے
محنت کش کا عزم مصمّم جس کا انوکھا گہنا ہے

پار ہوئے ہیں کاسک بچے ڈان کے پیارے دریا سے
امنڈ رہے ہیں ترک و مغل اب ایشیا کے ہر صحرا سے
جھپٹ رہے ہیں یوقاف کے پریوں کی اس دنیا سے
دُھن ہے نکل نہ جائے دشمن کرچ کی نمکیں دھارا سے

ڈال رہی ہے گھیرے سہم کاٹ رہی ہے دشمن کو
توڑ رہی ہے سینا لال کل دنیا کے دکھ بندھن کو

تعلیمی پریس لاہور میں باہتمام خواجہ محمد عبد اللہ پرنٹر چھپوا کر محمد صدیق پبلشر نے
ادارۂ ادبیاتِ نو ٹمپل روڈ لاہور سے شائع کی